طاقتوں کے بالفعل ہونے میں ملائکہ کا بہت زبردست ہاتھ ہے۔ یہ محض دعویٰ ہی نہیں بلکہ اس کی سند میں بے شمار دلیلیں بھی پیش کی جا سکتی ہیں چند ملاحظہ ہوں۔

(۱) يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ .... وہ نازل فرماتا ہے ملائکہ کو روح کے ساتھ اپنے حکم سے اپنے بندوں میں سے جس پر بھی وہ مناسب سمجھتا ہے۔

ایک دوسری جگہ ہے:۔

(۲) نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ روح امین (جبرئیل) نے تمہارے دل پر اسے نازل کیا ہے۔

اس کے بعد امام صاحب نے اس آیت سے متعلق ایک اور نہایت لطیف نکتہ بیان فرمایا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے:۔ حقیقی کمال کسی چیز کو اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب وہ چیز خود مکمل و اکمل ہو۔ مکمل ہونے کا یہ منشا ہے کہ وہ ان تمام خوبیوں سے آراستہ ہو جو اس کے شایان شان ہوں۔ اور اکمل ہونے کا یہ منشا ہے کہ اس کا فیض دوسروں تک پہنچے۔ اور یہ مسلم ہے کہ دوسرے کی تکمیل سے مقدم خود باکمال ہونا ہے۔ اس کے بغیر اصلاح و ارشاد بے معنی ہے۔ لہٰذا پہلی صفت میں اشارہ ہے کہ ملائکہ اپنی تکمیل کے لئے ہمہ آن طاعتِ الٰہی میں چست رہتے ہیں اور دوسری صفت میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ وہ انسانی قلوب سے وہ تمام کی تمام خرابیاں دور کرنے میں کوشاں رہتے ہیں جو فطرت انسانی کے سراسر منافی ہیں اور تیسری صفت میں اشارہ ہے کہ وہ ارواح بشری کے انوار الٰہی سے مستنیر ہونے میں شریک ہیں۔

۲۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ یہ اوصاف گروہِ انسانی پر محمول کی جائیں اور اس کی دو شکلیں ہیں:۔

(۱) وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا سے انسانوں کی وہ صفیں مراد لی جائیں جو نماز کی ادائیگی کے وقت صف بصف قائم کی جاتی ہیں، اور فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا سے نمازیوں کا اعوذ باللہ پڑھنا مراد لیا جائے گویا اس کلمہ سے نمازی اپنے پاس سے شیاطین کو دور بھگاتے ہیں۔ اور فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا سے ان کا نماز میں قرآن پڑھنا مراد لیا جائے۔ دوسری صفت کی ایک اور توجیہ بھی بہت مشہور ہے وہ یہ کہ اس کا مقصود یہ ہے کہ نمازی نہایت بلند آہنگی کے ساتھ قرآن پڑھتے ہیں جس کی مصلحت شیاطین کو بھگانا ہے چنانچہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی قرأت والی روایت

ہیں یہی مصلحت مذکور ہے۔

(۲) دوسری شکل یہ ہے کہ اس سے علماء محققین کی وہ صف بصف جماعت مراد لی جائے جو دین الٰہی کی تبلیغ میں منہمک رہتی ہے اور دوسری صفت سے اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اوامر و نواہی میں غایت درجہ دلچسپی رکھتے ہیں اور تیسری صفت میں اشارہ ہے کہ وہ دین الٰہی کی تبلیغ بھی کرتے ہیں اور اتباع شرائع پر بھی لوگوں کو ابھارتے ہیں۔

۳۔ تیسری توجیہ یہ ہے کہ ان صفات کو مجاہدین (فی سبیل اللہ) پر منطبق کیا جائے یعنی پہلی صفت سے جنگ کی صفیں مراد لی جائیں اور قرآن پاک میں مذکور بھی ہے کہ "اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا" دوسری صفت سے یہ مقصود ہے کہ وہ اثنائے جنگ میں گھوڑوں کو ڈانٹ بتاتی ہیں۔ اور تیسری صفت سے اس حقیقت کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ میدانِ جنگ کی گرما گرمی کے وقت بھی انکی زبانیں یاد الٰہی سے غافل نہیں ہوتیں۔

۴۔ چوتھی توجیہ یہ ہے کہ یہ صفات آیاتِ قرآنی کی ہیں اور اس کی توجیہ یوں ہوگی کہ قرآن پاک کی آیات متعدد مباحث سے متعلق ہیں۔ کچھ تو وحدانیت اور علم الٰہی پر مشتمل ہیں اور کچھ قدرت خداوندی اور حکمت ربانی کے بارے میں واقع ہیں اور کچھ اخلاقیات و شرائع سے متعلق ہیں۔ خلاصہ یہ کہ پہلی صفت میں آیات قرآنی کو صف بصف اشخاص کے مشابہ قرار دیا گیا ہے اور دوسری صفت سے ان آیات کی جانب اشارہ ہے جو نواہی پر مشتمل ہیں اور تیسری صفت ان آیات سے متعلق ہے جو اعمال خیر کے وجوب پر محرک ہیں۔

اب دوسری صورت لو یعنی یہ کہ ان صفات کا موصوف ایک نہیں بلکہ الگ الگ قرار دیا جائے مثلاً پہلی صفت کے موصوف پرندے ہوں جیسا کہ قرآن پاک میں بھی ہے "وَالطَّیْرُ صٰٓفّٰتٍ"۔ اور دوسری صفت سے وہ تمام کی تمام چیزیں مراد لی جائیں جو معاصی سے روکنے کا ذریعہ ہوں۔ اور تیسری صفت سے (بلا تخصیص) وہ تمام کی تمام باتیں مراد لی جائیں جو کلام الٰہی میں سے پڑھی جاتی ہیں۔

اس دوسری صورت کے متعلق امام صاحب فرماتے ہیں :-

"خداوند تعالیٰ کی مخلوقات یا تو جسمانی ہیں۔ یا روحانی۔ مخلوقات جسمانیہ کے مختلف مدارج وطبقات ہیں جن میں سرمو تغیر نہیں ہوتا مثلاً زمین وسط عالم ہے اور کرۂ مائی سے محیط ہے۔ پانی ہوا سے محیط ہے اور ہوا آگ سے محیط ہے۔ مزید براں یہ کہ عناصر اربعہ طبقات فلکی سے عالم اجسام کے آخری حصہ تک محیط ہیں۔ پس عالم اجسام گویا جلال الٰہی کے سامنے صف بصف کھڑا ہے۔ رہے جواہر روحانیہ ملکیہ (ملائکہ) تو وہ باوجود اختلاف مدارج وصفات دو صفتوں میں مشترک ہیں۔ ایک تو عالم اجسام میں تاثیر وتصریف ہے، جس پر یہ آیت (فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا) صریحاً دلالت کر رہی ہے۔ اور دوسری صفت خداوند تعالیٰ کی معرفت میں استغراق ہے، چنانچہ فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔ چونکہ عالم اجسام درجہ میں عالم ارواح سے ادنیٰ ہے اور جسمانیات میں تصرف بمقابلہ عالم ارواح کے آسان ہے اس لئے پہلے درجہ میں عالم اجسام کو رکھا گیا اور دوسرے درجہ میں ان ارواح طیبہ کو رکھا جو عالم اجسام پر تصرف کرتے ہیں اور تیسرے درجہ میں ان ارواح مقدسہ کو رکھا ہے جو ہمہ تن خدا کی تسبیح وتہلیل میں لگی رہتی ہیں۔"

اس کے بعد امام موصوف نے دو ایسے گروہوں کے اقوال نقل کیے ہیں جن میں سے ایک کا خیال ہے کہ نفس اشیاء مذکورہ مقسم بہ نہیں ہیں بلکہ ان اشیاء کا خالق مقسم بہ ہے۔ اور دوسرے فریق کے نزدیک نفس اشیاء مذکورہ ہی مقسم بہ ہیں۔ چونکہ امام موصوف نے ہر دو فریق کے اقوال کے نقل کر دینے ہی پر اکتفا کیا ہے اور اپنی کوئی رائے نہیں لکھی ہے اس لئے ہم اس بحث کی تفصیل پیش کرنے کی چنداں ضرورت نہیں سمجھتے۔

حضرت امام رازیؒ نے اس سلسلہ میں ایک اور نہایت اہم بحث کی ہے جس کا ایک طالب قرآن کے سامنے ہونا نہایت ضروری ہے اور وہ اس موقع پر قسم کھانے کی ضرورت یا عدم ضرورت کا مسئلہ ہے۔ اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ یہاں دو طرح کے شبہات پیدا ہوتے ہیں :-

(۱) ایک یہ کہ قسم کا مقصود یا تو مومن سے کوئی بات منوانا ہو سکتا ہے یا کافر سے۔ پہلی صورت تو باطل ہے اس لئے کہ مومن تو بغیر قسم ہی کے تسلیم کئے ہوئے ہے۔ اور دوسری صورت بھی باطل ہے اس لئے کہ منکر آپ کی بات قسم کھانے سے نہ تسلیم کرے گا بلکہ اسے دلیل ہی سے قائل کیا جا سکتا ہے۔

(۲) دوسرے یہ کہ خداوند تعالیٰ نے اس سورہ کے شروع میں وحدانیت پر قسم کھائی ہے اور سورۂ ذاریات کے اوائل میں وقوع قیامت کے ثبوت میں قسم کھائی ہے۔ ان مطالب عالیہ کو (ملاحدہ و دہریہ کے اوہام باطلہ کی تردید کے ساتھ) قسم کے ذریعہ سے ثابت کرنا عقلاء کے طریقہ کے منافی ہے۔

ان شبہات کے تین جواب ہو سکتے ہیں:۔

(۱) خداوند تعالیٰ نے وحدانیت اور بعث و قیامت کو زیادہ تر ابتدائی سورتوں میں یقینی دلائل کے ساتھ ثابت کر دیا ہے۔ پھر جب دلائل قطعیہ پوری طرح بیان کر دئے گئے تو دلائل ماسبق کی تاکید کیلئے قسم کھائی گئی خصوصاً قرآن تو عربوں کی زبان میں نازل ہوا ہے اور قسم کے ذریعہ سے کلام میں زور پیدا کرنا ان کے ہاں کا عام طریقہ تھا۔

(۲) دوسرے یہ کہ جب خداوند تعالیٰ نے ان چیزوں سے وحدانیت کے ثبوت پر قسم کھائی تو اس سے متصل ہی ان براہین قاطعہ کا بھی ذکر کیا جو وحدانیت کے باب میں نہایت روشن دلائل ہیں یعنی فرمایا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ۔ یہ قول اس بنا پر دلیل ہے کہ خداوند تعالیٰ نے اپنے اس قول میں (لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا) بیان فرمایا ہے کہ آسمان و زمین کا نظام وحدانیت پر شاہد ہے۔ بعینہٖ یہاں بھی جب یہ کہا گیا کہ (اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ) تو اس سے متصل ہی بطور دلیل کے یہ بیان کیا گیا (رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ) گویا یوں کہا گیا کہ آسمان و زمین کے نظام میں تفکر توحید باری پر شاہد ہے۔ پس اے لوگو! اس دلیل میں غور کرو تاکہ تمھیں توحید کا اذعان حاصل ہو۔

(۳) یہ کلام بت پرستوں کے اعتقاد کثرت آلہہ کے ابطال میں واقع ہے۔ گویا یوں کہا گیا کہ بت پرستوں کا مسلک اتنا بودا ہے کہ اس کے ابطال کے لئے تاکید کے ساتھ بس اتنا ہی کہدینا کافی ہے کہ تمہارا خدا ایک ہے۔

حضرت امام رازی علیہ الرحمۃ نے ان آیات سے متعلق جو کچھ فرمایا ہے اسا جمالاً تین سرخیوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے :-

(۱) مقسم بہ کی تعیین

(۲) مقسم بہ اشیاء مذکورہ ہی ہیں یا اس کے علاوہ کوئی دیگر شے ہے؟

(۳) مقسم بہ کا مقصود اس موقع پر کیا ہے؟

امام موصوف نے مقسم بہ کے بارے میں بہت سی صورتیں بیان فرمادی ہیں، مگر مقسم بہ اور مقسم علیہ میں مناسبت ڈھونڈھنے کی کوشش نہیں فرمائی، اس لیے بجز احتمالات کے نقل کرنے کے کوئی قطعی اور محکم رائے بھی ظاہر نہ کی۔ ممکن ہے ایسا اس لئے کیا ہو کہ اس سے طلبہ قرآن میں محنت و جانفشانی سے صحیح راہ تلاش کرنے کی قوت پیدا ہو۔ رہی یہ بحث کہ مقسم بہ نفس اشیاء مذکورہ ہیں یا ان کے علاوہ کوئی دیگر چیز ہے تو ہم نے جہاں تک غور کیا ہے اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ قرآن مجید میں قسم کھانے کی غایت و غرض پوری طرح نہ سمجھنے کی وجہ سے یہ بحث پیدا ہو گئی ورنہ یہ منصۂ شہود پر نہ آتی۔ اسی وجہ سے یہ سوال بھی پیدا ہوا کہ اس موقع پر قسم کھانا مناسب تھا یا نہیں یا یہ کہ یہاں پر قسم کھانے میں کیا مصالح ہیں؟ امام موصوف نے پہلے تو اس موقع پر قسم کھانے میں چند در چند زحمتیں بیان فرمائی ہیں۔ اس کے بعد ان زحمتوں کے مختلف حل بتائے ہیں لیکن ایک صاحب بصیرت سے پوشیدہ نہیں کہ امام موصوف کے ان جوابات میں بہت ہی تضاد ہے۔ مثلاً پہلے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ قسم دلائل سے مسبوق ہوا کرتی ہے، اور اصل اعتبار دلائل کا ہے، اور قسم تو محض عربوں کے عام طریقہ کے مطابق محض تاکید کے لئے لائی جاتی ہے۔ غور کیجئے ترتیب قرآن سے یہ جواب کتنا بعید ہے اس لئے کہ قسمیں تو زیادہ تر ان سورتوں میں آئی ہیں جو پہلے نازل ہوئیں۔ اور دلائل بعد کی سورتوں

میں بیان ہوئے ہیں۔ امام موصوف کے دوسرے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ قسم کے بعد اس موقع پر ایک ایسا قول مذکور ہے جس میں حجت و برہان کا بہت ہی زبردست پہلو ہے، اور قسم محض تنبیہ کے لئے ہے۔ دیکھیے! اس جواب میں اور ماقبل والے میں کیا سرمو بھی فرق ہے؟ اور دونوں میں سے کیا ایک میں بھی اصل مسئلہ سے متعلق کچھ کہا گیا ہے؟ تیسرا جواب تو بہت ہی گرا ہوا ہے وہ اس لئے کہ پہلے دونوں جوابوں میں تو امام موصوف نے یہ دعویٰ کیا کہ قسم میں شہادت کا کوئی پہلو نہیں اور تیسرے جواب میں اس کا حجت ہونا خود ہی تسلیم کر لیا ہے گو کہ ہلکے درجہ کی حجت و دلیل۔[1]

ذیل کی سطروں میں اب ہم مقسم بہ کی تعیین قسم کی اس موقع پر ضرورت، اور مقسم بہ اور مقسم علیہ میں مناسبت کی بابت اپنی رائے پیش کریں گے لیکن مناسب ہوگا کہ قبل اس کے کہ ان مباحث کی تحقیق میں پڑیں ایک نہایت ضروری مرحلہ سے گذر لیا جائے اور وہ پیش نظر سورہ کی قسموں کے عمود کی تعیین ہے۔

سورہ کا مرکز پیش نظر سورہ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورہ توحید اور قیامت کے ثبوت میں وارد ہے یعنی ایک طرف تو اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ دنیا میں جتنی بھی مخلوقات ہیں ان میں سے ہر ایک خدا کی بے پایاں قدرت کا مظہر ہے۔ کوئی چیز اس سے بے نیاز ہو کر زندہ نہیں رہ سکتی۔ ہر ایک کی ضروریات کا مرکز وہی ہے۔ اس کے علاوہ تمام کے تمام رشتے بے معنی ہیں۔ مخلوقات کی احتیاج بالخصوص حضرت انسان کی ضروریات یہیں پر ختم نہیں ہوتیں بلکہ کل کی زندگی میں جب خدا کی عدالت عالیہ قائم ہوگی تو وہ رحمت خداوندی کا اور زیادہ محتاج ہوگا۔ الغرض اگر یہ سورہ غور سے پڑھی جائے تو ہر شخص کو بادنیٰ تامل نظر آسکتا ہے کہ پوری سورہ میں یہی دونوں حقیقتیں پھیلی ہوئی ہیں۔

مقسم علیہ کی تعیین کے بعد اب ہم مقسم بہ کی شرح و تعیین کریں گے۔

مقسم بہ کی شرح و تعیین وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا

[1] ماخوذ از امعان فی اقسام القرآن مصنفہ صاحب نظام القرآن صفحہ ۵-۶

فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا، تفسیروں کے استقراء سے معلوم ہوتا ہے کہ مفسرین میں سے بیشتر لوگوں کا ان اوصاف کے بارے میں یہی خیال ہے کہ ان کا موصوف گروہ ملائکہ ہے۔ ہمارے نزدیک بھی یہی صورت انسب ہے اس کے علاوہ جتنی صورتیں مذکور ہیں ان میں سے کوئی بھی چسپاں نہیں ہوتی۔ وجوہ ترجیح مناسبت کی بحث سے سمجھ میں آجائیں گے۔

قسم کی غرض اوپر کی سطروں سے مقسم بہ کی تعیین ہوگئی۔ رہا یہ سوال کہ اس موقع پر قسم کیوں لائی گئی؟ اس کا وہ جواب انسب نہیں جو حضرت امام رازی علیہ الرحمۃ نے اختیار کیا ہے بلکہ اس باب میں صاحب نظام القرآن نے قسم کا جو مفہوم بیان کیا ہے اگر اسے سامنے رکھا جائے تو وہ تمام کی تمام دقتیں جو امام موصوف کے جواب سے پیدا ہو جاتی ہیں یکقلم دور ہو جائیں گی یعنی یہ کہ قسم کا اصل مقصود استشہاد ہے۔ تعظیم و احترام کا پہلو انہیں مواقع پر ہوگا جہاں خداوند تعالیٰ کی ذات بابرکت یا اس کے شعائر کی قسم کھائی گئی ہو۔ اور اس صورت میں بھی تعظیمی پہلو ضمنی ہوگا۔ اصل مقصد استشہاد و استدلال ہی ہوگا۔ کلام عرب سے بھی اس نظریہ کی تائید ہوتی ہے۔ تفصیل کے لئے امعان فی اقسام القرآن کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

سطور بالا سے مقسم بہ کی تعیین اور قسم کی حقیقت اجمالاً سمجھ میں آگئی ہوگی۔ اب ہم مقسم بہ اور مقسم علیہ میں مناسبت دریافت کریں گے۔

مقسم بہ اور مقسم علیہ میں مناسبت یہ بیان ہو چکا ہے کہ پیش نظر سورہ توحید و قیامت کے ثبوت میں واقع ہے یعنی یہ کہ اس عالم میں جتنے بھی انقلابات و تغیرات ہوتے ہیں سب کا مرکز محض ایک ذات ہے۔ وہی سب کچھ کرتی ہے۔ اس کے ایما کے بغیر کوئی تبدیلی بھی ظہور میں نہیں آسکتی۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکت ہے۔ ایسی ذات جس کی قدرت و تصرف کے بے شمار مظاہر ہیں، ضرور بالضرور اس نے اس عالم کی پیدائش کی کوئی اہم غایت رکھی ہوگی۔ اسی کو قرآن قیامت سے تعبیر کرتا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ پیش نظر سورہ کے دعویٰ اور دلیل میں کوئی مناسبت ہے یا نہیں؟۔

قرآن مجید کے طالب علم سے یہ مخفی نہیں کہ قرآن پاک میں بے شمار ایسی آیات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ملائکہ منجملۂ جنود الٰہی ہیں۔ ذیل کی آیتوں پر غور کیجئے :۔

سورۂ انفال میں ہے :۔

إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ	یاد کرو اس وقت کو جب تم اپنے پروردگار سے فریاد کرتے
أَنِّي مُمِدُّكُمْ بِأَلْفٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ	تھے پس اس نے تمہاری فریاد سن لی کہ میں لگاتار ہزار فرشتوں سے
وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ وَلِتَطْمَئِنَّ بِهِ	تمہاری مدد کروں گا اور خدا نے فرشتوں کی مدد تمہیں خوش کرنے
قُلُوبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۗ	کیلئے کی ورنہ فتح تو خدا ہی کے ہاتھ میں ہے بیشک خدا غالب
إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ	اور حکمت والا ہے یاد کرو اس وقت کو جب کہ خدا تمہاری
أَمَنَةً مِنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً	تسکین کے لئے نیند تم پر طاری کرتا تھا اور آسمان سے تم پر پانی برسا رہا
لِيُطَهِّرَكُمْ بِهِ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ	تھا کہ اس سے تم کو پاک کرے اور شیطانی گندگی تم سے دور کرے
الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ	اور تاکہ تمہارے دلوں کی ڈھارس بندھائے اور اس کے
بِهِ الْأَقْدَامَ ۝ إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ	ذریعہ سے تمہارے قدم جمائے رکھے، یاد کرو اس وقت کو
أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا ۚ سَأُلْقِي	جب کہ تمہارا پروردگار فرشتوں کو حکم دے رہا تھا کہ ہم
فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ	تمہارے ساتھ ہیں پس تم مسلمانوں کے قدم جمائے
فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا	رکھو عنقریب کافروں کے دل میں رعب ڈالیں گے پس مارو گردنوں
مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ۝ (رکوع اول)	پر اور مارو ان کے پور پور پر۔

ایک دوسری جگہ ہے :۔

ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَىٰ	پھر خدا نے اپنے رسول پر اور مسلمانوں پر تسلی نازل فرمائی
رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَنْزَلَ جُنُودًا لَمْ	اور غیر مرئی فوجیں بھیجیں اور کافروں کو سخت مار ماری

لَمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ۝ (توبہ-۴)

اور کافروں کی یہی جزا ہے۔

ایک دوسرے موقع پر ہے:-

إِلَّا تَنصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا فَأَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ (توبہ-۶)

اگر تم اس کی مدد نہ کرو (تو کچھ پروا نہیں) اس لئے کہ اس نے اس وقت اپنے رسول کی مدد کی تھی جب کافروں نے گھر سے باہر نکال دیا دو میں دوسرے اس وقت یہ دونوں غار میں تھے، یاد کرو اس وقت کو جبکہ وہ اپنے رفیق سے کہہ رہا تھا غم نہ کرو بیشک خدا ہمارے ساتھ ہے پس خدا نے اپنی تسلی اس پر نازل فرمائی اور غیر مرئی افواج سے اس کی مدد کی اور کافروں کی بات کو نیچی کر دیا اور خدا ہی کا بول بالا ہے اور خدا غالب حکمت والا ہے۔

ایک اور مقام پر ہے:-

إِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ أَلَن يَكْفِيَكُمْ أَن يُمِدَّكُمْ رَبُّكُم بِثَلَاثَةِ آلَافٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُنزَلِينَ ۝ بَلَىٰ إِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُم مِّن فَوْرِهِمْ هَٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُم بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ ۝

(آل عمران-۱۳)

یاد کرو جبکہ تم مسلمانوں سے کہہ رہے تھے کہ کیا تمہارے لئے یہ بس نہیں ہے کہ تمہارا پروردگار تین ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کرے ضرور، بلکہ اگر تم ثابت قدم رہو اور تقویٰ اختیار کرو اور دشمن اسی دم تم پر چڑھ دوڑیں تو تمہارا پروردگار پانچ ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا۔

سورۂ ذاریات میں ہے:-

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ۝ قَالُوا إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمٍ مُّجْرِمِينَ ۝ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّن طِينٍ ۝ مُّسَوَّمَةً عِندَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِينَ ۝ (رکوع ۲)

کہا تمھاری کیا مہم ہے اے فرستادگان.. وہ بولے ہم ایک گنہگار قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں تاکہ ان پر پتھراؤ کریں جو مسرفین کے لئے خدا کے یہاں نامزد ہے....

مذکورہ بالا آیات میں تصریح ہے کہ خدا کی غیر مرئی فوجوں میں سے ملائکہ بھی ہیں اور اس غیر مرئی فوج سے بارہا اس نے حق پرستوں کی تائید کی ہے، اور پرستاران باطل کو پسپا کیا ہے۔ ایسا تقریباً ہر پیغمبر کے عہد میں ہوا ہے۔ قرآنی تصریح کے بعد مزید دلائل کی ضرورت نہیں۔

ایک شخص کہہ سکتا ہے کہ مناسبت کے سلسلہ میں جو کچھ تم نے کہا ہے اس سے اصل سوال تو حل نہ ہوا؟ واقعتاً ایسا ہی ہے لیکن جب مذکورہ بالا تصریحات کی روشنی میں غور کیا جائے گا تو ہر شخص یہ تسلیم کرے گا کہ دنیا میں رحمت اور نقمت کے بے شمار مظاہر فرشتوں کے ہاتھوں ظہور میں آتے ہیں۔ فرشتے ہی تھے جو حضرت ابراہیم کے پاس پیام بشارت لائے تھے۔ اور یہی فرشتے قوم لوط کے لئے صاعقۂ ہلاکت ثابت ہوئے۔ اور یہی فرشتے تھے جو قرن اول میں حزب اللہ کے پہلو بہ پہلو حزب الشیطان سے برسرپیکار نظر آتے تھے۔ الغرض ملائکہ کے ہاتھوں دنیا میں جو رحمت و نقمت ظہور میں آتی ہے اس میں وحدانیت اور عدالت کبریٰ کے ثبوت پر کافی شہادت ہے۔ وہ اس طرح کہ ملائکہ کا پرستاران حق کے پہلو بہ پہلو احقاق حق اور استیصال باطل میں جد و جہد کرنا دلیل ہے اس امر پر کہ یہ کسی کے ماتحت ہیں اور یہ ان تمام لوگوں کے دشمن ہیں جو حدود اللہ سے سرکشی کرتے ہیں، اور ان لوگوں کے دوست ہیں جو خدا کی سرزمین پر رشد و ہدایت کی تبلیغ کرتے ہیں۔ نیز یہ کہ فرشتوں کے کارنامے میں جو تضاد پایا جاتا ہے یعنی مومنین کے ساتھ ان کی شفقت و ہمدردی خواہ ہاتھ سے ہو یا زبان سے[1] اور کفار کے ساتھ ان کی تندی و سختی، یہ شاہد ہے اس امر پر کہ ہو بہو یہی نقشہ (تفریق بین المصلح والمفسد) قیامت کے دن بھی پیش آئے گا۔

---

[1] قرآن مجید میں بیشمار ایسی آیات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ملائکہ متمردین کے حق میں بددعا اور اظہار لعنت کرتے ہیں اور مومنین کے لئے بارگاہِ الٰہی میں رحمت کی دعا کرتے ہیں اور ظن غالب یہ ہے کہ پیش نظر سورہ میں فَالتّٰلِیٰتِ ذِکْرًا سے اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب داؤد اکبر اصلاحی

رسائل و مسائل

صفاتِ باری تعالیٰ

لکھنؤ سے ایک صاحب لکھتے ہیں :-

"میں ان لوگوں میں زندگی کے بہترین اوقات صرف کر رہا ہوں جو منکر مذہب ہیں اور تنہا وہی گمراہ نہیں ہیں بلکہ ہزاروں کو وہ گمراہ کرتے رہتے ہیں۔ میں ان میں رہتا ہوں اور اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ان تمام تر گمراہیوں کا منشا صرف دین سے ناواقفیت ہے اور بس۔

فضا اور ماحول کو دیکھتے ہوئے میرا دل بہترین توقعات سے لبریز ہے۔ میں کچھ کام کر چکا ہوں، کچھ کر رہا ہوں اور آئندہ بھی مجھے کچھ کرنا ہے۔ اس سلسلہ کی ایک کڑی یہ بھی ہے کہ میں آپ کو اپنی امداد کے لئے تکلیف دینی چاہتا ہوں اس لئے کہ مجھے جو کام لینا ہے آپ کے سوا اس کا کوئی دوسرا اہل نظر نہیں آتا۔

خدا کے وجود کا ہر شخص کو اعتراف ہے خواہ وہ کوئی مذہبی انسان ہو یا دہریہ، کوئی فاطر کہتا ہے اور کوئی فطرت۔ صرف الفاظ کے گورکھ دھندے ہیں، مفہوم سب کا واحد ہے لیکن مسلمان خدا کو "بانہ و نوزدہ" صفات کے تسلیم کرتے ہیں۔

مجھے "وجود خدا بایں ہمہ صفات" کے دلائل درکار ہیں۔ ایک دلیل ہو یا چند دلائل ایسے ٹھوس اور مضبوط ہوں کہ اسے "جدید روشنی" خیرہ نہ کر سکے، مختصر ہوں اور جامع ـــــ بس"۔

ترجمان القرآن۔ باری تعالیٰ کے ۹۹ اسماء تو وہ ہیں جو ہمیں بتائے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ

بے حد و حساب اسمارِ حسنیٰ اور بھی ہیں جن کا ہمیں علم نہیں۔ حدیث میں آیا ہے اسئلک بکل اسم ھولک وسمیت بہ نفسک او انزلتہ فی کتابک او استأثرت بہ فی علم الغیب عندک[۵] پس ۹۹ کی تخصیص درست نہیں۔

محض وجود باری کا اقرار صحت ایمان کے لئے کافی نہیں ہے۔ کم از کم ان صفات کا علم و ادراک ضروری ہے جن کی تصریح قرآن میں ہے۔ مثلاً رب العلمین، رحمٰن، رحیم، سمیع، بصیر، خبیر، فعال لما یرید، دیان منتقم وغیرہ۔ اس لئے کہ صحتِ ایمان اور صحت عمل کا تمام تر انحصار اس امر پر ہے کہ خدا اور کائنات، اور خدا اور انسان کے تعلق کی حقیقی نوعیت ہمیں معلوم ہو، اور یہ اسمار صفات اسی نوعیت کو واضح کرتے ہیں۔ جو شخص مثلاً وجود باری کا مقر ہے مگر یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کائنات کو پیدا کر کے فارغ ہو بیٹھا ہے (نعوذ باللہ) اور اب اس کائنات کا نظم و نسق خود بخود بالاستقلال (INDEPENDENTLY) چل رہا ہے، اور اس کے انتظام سے بالفعل خدا کا فرمانروایانہ تعلق نہیں ہے، اس کا خدا کو ماننا بے معنی ہے۔ وہ گویا خدا کو اس طرح مانتا ہے جس طرح ایک موٹر خریدنے والا اس بات کو مانتا ہے کہ اس کا میکر فورڈ یا آسٹن ہے۔ ظاہر ہے کہ اس ماننے سے موٹر کے ساتھ اس کا معاملہ اور برتاؤ معین یا کسی طور پر بھی متاثر نہیں ہوتا۔ اسی طرح محض یہ ماننے سے کہ کائنات کا اور خود انسان کا میکر خدا ہے، کائنات کے ساتھ اور خود اپنے وجود کے ساتھ انسان کے معاملہ کی نوعیت بھی معین نہیں ہوتی، نہ کسی طور پر متاثر ہوتی ہے۔ اسلام کا مقصود تو صرف اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب انسان اپنے ساتھ اور سارے عالم کے ساتھ باری تعالیٰ کے تعلق کی نوعیت کو اچھی طرح سمجھ لے۔ اسے معلوم ہونا چاہئے کہ باری تعالیٰ قیوم ہے، فعال لما یرید ہے، رب ہے، علیم و خبیر ہے، قاہر فوق عبادہ ہے، ظالم نہیں ہے بلکہ رحمٰن و رحیم ہے، حکیم ہے (یعنی اس کا

[۵] خدایا میں تجھ سے دعا کرتا ہوں ہر اس نام کے ساتھ جو تیرا ہے، جس سے تو نے اپنے آپ کو موسوم کیا ہے، یا جسے اپنی کتاب میں بیان فرمایا ہے، یا جو تیرے علم غیب میں ہے اور بندوں کو تو نے اس کی خبر نہیں دی ہے۔